مسئلہ سُود
اور
غیر سودی مالیات
LOANS
BANKS

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
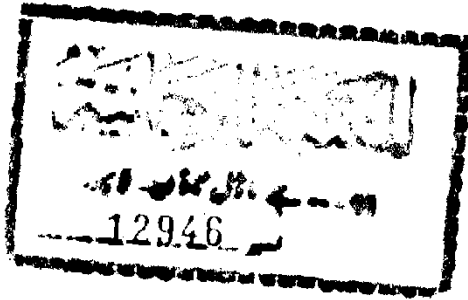
بار اول ————— نومبر ۱۹۹۲ء
تعداد اشاعت ————— ۲ ہزار
ناشر ————— ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مطبع ————— شرکت پرنٹنگ پریس، چوک گوالمنڈی، لاہور
قیمت ————— ۱۵؍ روپے
مقام اشاعت ————— ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون ۸۵۶۰۰۳

دیباچہ

اس سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی عزم کا فقدان ہے۔ ہمارے حکمران مسند اقتدار تک پہنچنے کے لئے تو اسلام کا بڑی بلند آہنگی سے نام لیتے ہیں لیکن مسند اقتدار پر بیٹھتے ہی نفاذ اسلام کے تمام مسائل طاق نسیاں کی نذر کر دیتے ہیں۔ مگر اس کی چند قابل لحاظ وجوہ بھی ہیں جو خارجی بھی ہیں اور داخلی بھی۔ خارجی اعتبار سے ہماری مشکل یہ ہے کہ استعماری طاقتوں کے نزدیک مذہب بالخصوص اسلام پس ماندگی کی علامت اور ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسلام کے خلاف انہوں نے اپنی کراہت کے اظہار کے لئے "بنیاد پرستی" کی اصطلاح ایجاد کر رکھی ہے جس کا ہوّا دکھا کر وہ ہمارے حکمرانوں کو خوفزدہ کرتے رہتے ہیں کہ اگر اس کا الزام تم نے اپنے سر لیا تو تمہیں ہماری تائید و حمایت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے دوسری طرف ہماری داخلی صورت حال بھی کچھ زیادہ خوش آئند نہیں۔ ہماری عظیم اکثریت اسلام کو صرف ایک مذہب کے طور پر مانتی ہے' دین کے طور پر نہیں۔ بلکہ دین کے تقاضوں سے ہی یکسر بے خبر ہے۔ انہیں اسلام سے بطور مذہب تو لگاؤ ہے اور --- وہ بھی جذباتی زیادہ اور عملی کم ---- لیکن اسے بحیثیت ایک دین اپنانے کے لئے ان کے اندر کوئی تڑپ' جوش اور ولولہ نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ احترام مساجد' حرمت قرآن اور ناموس رسولؐ کے معاملات میں تو وہ بہت زود حس واقع ہوئے ہیں اور جانیں قربان کر دیتے ہیں لیکن سود کے معاملے میں جو بموجب حکم خداوندی "خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کھلی جنگ" ہے بالکل بے حس ثابت ہوئے ہیں۔ خدا اور رسولؐ کے ساتھ یہ کھلی جنگ

ان کے جذبات و احساسات میں کوئی ہلکا سا ارتعاش بھی نہیں پیدا کرپاتی اور سود سے وہ اتنی بھی کراہت نہیں محسوس کرتے جتنی کہ شراب اور لحم خنزیر سے۔ اور یہ کہنا بھی غلط نہیں ہو گا کہ من حیث القوم مسلمانوں نے سود کے ساتھ ذہنی طور پر مکمل سازگاری پیدا کرلی ہے۔ یہ ذہنی سازگاری پیدا کرنے میں ہمارے ان علماء کا بھی دخل ہے جو سود اور ربا کے درمیان فرق کر کے سود کو مباح قرار دیتے ہیں اور ان نام نہاد روشن خیال دانشوروں کا بھی جن کا ایمان ہے کہ آج کے دور میں سودی بینکاری کے بغیر کسی ملک کا معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ان دونوں سوچوں نے مل ملا کر پوری قوم کو سود کے بارے میں ایک بہت بڑی کنفیوژن میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حکومت اسی کنفیوژن سے فائدہ اٹھاتی ہے اور لوگوں کی سردمہری کی بنا پر نفاذ اسلام کے مطالبات پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں دینی جماعتیں اگر کوئی آواز اٹھاتی بھی ہیں تو انہیں رجعت پسندی کا الزام دے کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت نے نومبر ۱۹۹۱ء میں سود کی حرمت کے بارے میں اپنا تاریخ ساز فیصلہ سنا کر حکومت کو ایک کڑی آزمائش سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلے گا وہ تو خیر نکلے گا ہی بلکہ ایک اعتبار سے شاید نکل بھی چکا ہے' تاہم اس کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا ہے کہ ہمارے وکلاء اور ماہرین معاشیات نے سود اور غیر سودی مالیات کے موضوعات پر پوری سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا ہے اور عوام الناس بھی اب اس مسئلے میں دلچسپی لے رہے ہیں اور یہ جاننے کے خواہش مند ہیں کہ غیر سودی مالیات کا نظام کیسا ہو گا اور کیونکر چلے گا۔

آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس گزشتہ ربع صدی سے ملت اسلامیہ کے لئے بالعموم اور پاکستان کے ذہین طبقوں کے لئے عصری مسائل پر سائنسی اور علمی لٹریچر شائع کرتی رہی ہے۔ بلاسود بینکاری پر اس ملک میں سب سے پہلی تحریر کانگرس

نے ۱۹۷۱ء میں شائع کی ۔ یہ کتابچہ ڈاکٹر ڈی۔ ایم۔ قریشی مرحوم نے لکھا تھا جو پلاننگ کمیشن حکومت پاکستان میں چیف کوارڈ ینیشن کے عہدہ پر فائز تھے۔ بعد ازاں جناب محمد اکرم خان ' جو اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے اعزازی ڈائریکٹر ریسرچ ہیں ' کی کئی تصانیف معاشی موضوعات پر شائع کیں۔ ان میں تازہ ترین کتاب "اسلامک بینکنگ اِن پاکستان" انگریزی زبان میں اسی سال شائع ہوئی جس نے ملک کے علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت پائی۔ تاہم اردو زبان میں عام فہم اور سادہ اسلوب میں ایک ایسی کتاب کی اشاعت ضروری تھی جس سے ایک عام آدمی استفادہ کر سکے ' تاکہ سود کے مسئلہ پر رائے عامہ ہموار کرنے میں مدد مل سکے۔ چنانچہ احباب کے اصرار پر جناب محمد اکرم خان صاحب نے یہ کام بھی کر ڈالا اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ایک نہایت قلیل مدت میں "سود اور غیر سودی مالیات" کے عنوان سے یہ کتابچہ تصنیف کیا ہے جسے شائع کر کے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ' کتاب کے پہلے حصے میں سود اور ربا میں تفریق کی گمراہی کا پردہ چاک کیا گیا اور دوسرے حصے میں غیر سودی مالیات کی معقول اور قابل عمل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

جناب محمد اکرم خان کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ حکومت پاکستان کی آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس میں وہ ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں ' لیکن اسلامی معاشیات کے ایک ماہر کی حیثیت سے وہ عالمی شہرت رکھتے ہیں اور ان موضوعات پر ان کی تحریریں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بے لوث علمی خدمت کو قبول فرمائے اور انہیں ملت اسلامیہ کی خدمت کے لئے تادیر سلامت رکھے اور وہ "اندریں عصر کہ لاگفت من الا گفتم" کے مصداق چار سو عالم میں پھیلی ہوئی تاریکیوں میں روشنی کی کرنیں بکھیرتے رہیں۔

مظفر حسین

ڈائریکٹر آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اس مقالہ کا مقصد قرض کے معاملات میں سود کے چلن کا تجزیہ اور ایک غیر سودی مالیاتی نظام کے بنیادی خدوخال کی تشریح کرنا ہے۔

پاکستان کی تشکیل کے ساتھ ہی یہاں پر ایک خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کی جدوجہد شروع ہوگئی۔ مختلف دینی اور سیاسی جماعتوں نے اس کے لئے خلفائے راشدین کے دور کی طرز پر ایک اسلامی ریاست کے قیام پر زور دینا شروع کیا۔ یہ بات کہ موجودہ نظام حکومت اور معاشرہ ایک سرمایہ دارانہ تمدن پر مبنی ہے ہر ذہین آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا کرتی تھی کہ موجودہ دور میں اسلام کے بنیادی اصول کس طرح نافذ کئے جائیں گے۔ ان میں سب سے پیچیدہ مسئلہ سود کا ہے۔ اسلامی نظام حیات کے نعرہ کے ساتھ ہی جہاں علمائے دین کی طرف سے سود کی حرمت اور بلاسودی مالیاتی نظام کا نقشہ پیش کئے جانے کی متعدد کوششیں ہوئیں وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک ایسا ردعمل پیدا ہوا جس کو ہم "ذہنی شکست" یا "علمی مرعوبیت" کا نام دے سکتے ہیں۔ اس طبقہ نے محسوس کیا کہ سود کا معاملہ اتنا پیچیدہ اور دقیق ہے کہ موجودہ مالیاتی نظام کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکے بغیر اسے ختم نہیں کیا جا سکتا' اور چونکہ ایسا عمل بہت بڑے عملی بحران پر منتج ہوگا لہٰذا ان کا ذہن اس طرف مائل ہوا کہ قرآن اور حدیث میں "ربا" کی حرمت کو از سر نو دیکھا جائے۔ چنانچہ ان کی طرف سے یہ مقدمہ قائم کیا جانے لگا کہ دراصل "ربا" اور "سود" دو مختلف چیزیں ہیں۔ جو چیز حرام ہے وہ ربا ہے اور جو رائج الوقت مالیاتی اداروں میں مروج ہے وہ سود ہے۔ اول الذکر بلاشبہ حرام ہے لیکن موخر الذکر جائز اور مباح ہے۔

اس مقدمہ پر ۱۹۶۰ء کے عشرہ میں بہت سا لٹریچر وجود میں آیا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ چند ایک علماء نے بھی یہی موقف اختیار کیا۔ اس کے جواب میں پچھلے تیس سالوں میں ہزاروں صفحات پر مبنی سینکڑوں مضامین' مقالات اور کتب لکھی گئی ہیں' جن میں دو ٹوک اور مضبوط دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دراصل

"ربا" اور "سود" ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس عرصہ میں بیسیوں کانفرنسوں اور سیمینارز میں ان گنت مسلم معاشیات دانوں' علماء اور مفکرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان اجتماعات میں سے اکثر کی کارروائیاں چھپ چکی ہیں اور حاصل کی جاسکتی ہیں[۱]۔

اب حال ہی میں پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے مسئلہ سود پر اپنے تاریخی فیصلہ میں اس موضوع پر بہت سا قیمتی مواد جمع کیا ہے۔ اس فیصلہ میں بہت وضاحت سے دکھایا گیا ہے کہ عربی لغت' قرآن کا متن' اہم تفاسیر' احادیث' احادیث کی تشریح' فقہ اور تاریخ سب اس بات کا حتمی ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ سود اور ربا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں[۲]۔ اس کے علاوہ مسلمان امت کے بڑے بڑے اجتماعی ادارے' مثلاً او آئی سی (O.I.C) کی فقہ اکیڈمی' ہندوستان کی فقہ اکیڈمی' اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان' جامعہ ازہر وغیرہ میں سینکڑوں علماء نے بار بار بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ ربا اور سود ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے[۳]۔

اتنی زیادہ شہادتیں جمع ہو جانے کے بعد یہ بات بلاخوف و خطر کہی جاسکتی ہے کہ اس بات پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ سود اور ربا ایک ہی چیز ہے اور سود حرام ہے۔ اس بحث کے بعد اور اتنے شواہد کی موجودگی میں اب یہ بات تحصیل حاصل کے مترادف ہے کہ از سرنو اس بحث کو چھیڑا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ربا اور سود ایک ہی چیز ہے' لیکن حال ہی میں پاکستانی اخباروں میں بہت سے مضامین اور خطوط ایسے چھپے ہیں جنہوں نے اس بحث کو از سرنو چھیڑا ہے[۴]۔ اگرچہ اس بحث کا مختصر جواب تو یہی ہے کہ یہ بحث لٹریچر سے بے خبری کی بنیاد پر دوبارہ شروع کی گئی ہے اور جس کی تسلی نہ ہو وہ مشاہیر کی تحریروں کو دیکھ لے اور پھر جن سوالات کا جواب نہ ملے وہ بیان کرے' لیکن یہ دیکھ کر کہ سب لوگوں کی رسائی اس لٹریچر تک نہیں ہے ہم انتہائی اختصار سے یہاں پر اس موضوع پر چند بہت ہی اہم دلائل کا ذکر کرتے ہیں اور سود اور ربا کے فرق پر عام طور پر دیئے گئے دلائل کی کمزوری واضح کرتے ہیں۔

ربا اور سود کا فرق

۱۔ پیدا آور اور صرفی قرضوں کا فرق

ربا اور سود میں فرق کرنے والے عام طور پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ ربا دور جاہلیت میں رائج صرفی قرضوں پر ایک ظالمانہ زیادتی کا نام تھا' جس سے غریب کی خون پسینے کی کمائی مہاجن لے جاتا تھا۔ شریعت اسلامی نے اس ظلم کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس دور میں تجارتی قرضوں کا رواج نہ تھا۔ چنانچہ تجارتی قرضوں پر سود ظلم نہیں ہے' کیونکہ اس میں کاروباری حضرات جو سرمایہ قرض پر لیتے ہیں اس سے مزید دولت کماتے ہیں اور اس میں سے ایک حصہ سود کی شکل میں صاحب مال کو دیتے ہیں۔ اس مقدمہ میں چند در چند غلطیاں ہیں:

اول' یہ بات اصول شریعت کے خلاف ہے کہ صرف انہی معاملات پر شریعت کے قواعد کا اطلاق کیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھے' جیسے کہ اگر کوئی کہے کہ "خمر" کی حرمت میں صرف وہ شرابیں حرام ہوں گی جو اس زمانے کے عرب پیا کرتے تھے تو یہ دلیل بین طور پر غلط ہے' اس لئے کہ اس سے حرمت خمر ختم ہو سکتی ہے۔

دوم' تاریخی طور پر یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں عربوں میں تجارتی قرضوں کا رواج عام تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ زیادہ تر قرضے تجارتی مقاصد کیلئے تھے تو مبالغہ نہ ہو گا' کیونکہ وہ ایک قبائلی معاشرہ تھا جس میں تنگ دست کی کفالت اور دیکھ بھال قبیلہ خود کرتا تھا (جیسے کہ شعب ابی طالب کے زمانہ میں خود حضورؐ کے ساتھ ہوا) اور قبیلہ کے لئے یہ بات باعث ننگ و عار تھی کہ اس کا کوئی فرد اپنی بنیادی ضرورت کیلئے سود پر قرض لے' لیکن اگر کہا جائے کہ صرفی قرضے بھی متداول تھے تو تجارتی قرضوں کے رواج کا تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے۔

سوم' یہ بات بھی ہر حال میں صحیح نہیں ہے کہ کاروباری حضرات جو سود ادا

کرتے ہیں وہ اپنے نفع کا ایک حصہ دیتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہو سکتا ہے کہ کاروباری مقروض کو نفع نہ ہو بلکہ نقصان ہو' سود تو اسے پھر بھی دینا ہی پڑے گا۔ اس صورت میں ظلم کی شکل واضح طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔

چہارم' یہ بھی ایک دھوکہ ہے کہ تجارتی اموال میں سود ظلم نہیں ہے' حقیقت یہ ہے کہ مرکب سود میں ظلم اس طرح پنہاں ہے کہ عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر پاکستان میں ڈیفنس سیونگ سکیم پر اگر آج ۱۰۰ روپے جمع کرائے جائیں تو دس سال بعد ۴۲۶ روپے ملتے ہیں۔ اگر کوئی یہ انتظام کرے کہ یہ رقم ۱۰۰ سال تک اسی طرح سود پر لگی رہے تو یہ جمع ہو کر ۱۹۶۸۳۲۱۲۹ (تقریباً دو ملین) روپے ہو جائے گی۔ گویا حقیقی شرح سود ۲۰ لاکھ فی صد ہوئی۔

ایک اور مثال لیجئے۔ جرمنی میں اوٹو ایف شون بیک (Otto.F.Shoenbeck) نے ۱۹۷۲ء میں ۱۰۰ مارک ۲۵۰ سال کیلئے سات فی صدی شرح سود پر جمع کرا دیئے اور بینک سے معاہدہ کر لیا کہ ۲۲۲۲ء میں اس کے لواحقین کو اصل بمع سود واپس کر دیا جائے۔ اس سال یہ رقم ۲۲۱۷۹۲۴۰۰ مارک ہو چکی ہوگی' اور اس کی حقیقی شرح سود ۸۸۷۱۶۹ فی صد ہوگی۔ کیا ہم اسے غیر ظالمانہ کہہ سکتے ہیں؟

ایک اندازہ کے مطابق امریکہ میں اس وقت کارپوریشنز کے ادھار کا یہ عالم ہے کہ اگر شرح سود میں ایک فیصد اضافہ ہو جائے تو ادھار کا بوجھ ۲ سے ۳ بلین ڈالر بڑھ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود کوئی ایسا بوجھ نہیں جسے ظلم کہا جا سکے اس کے اصل روپ سے بے خبری کی وجہ سے ہے۔

پنجم' یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ آج کل کے دور میں زیادہ قرضے تجارتی ہیں اور صرفی قرضے کم ہیں۔ اگر ہم کسی بھی ملک کی معیشت کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلے کہ آج کل سب سے زیادہ قرضے تو حکومتوں نے لے رکھے ہیں جن کا زیادہ استعمال صرفی نوعیت کا ہے۔ خود پاکستان ہی کو دیکھیں' پچھلے پانچ سالوں (۹۱-۱۹۸۶ء) میں تمام بینکوں کے تقریباً ۲۵ فی صد ڈیپازٹ کے برابر قرض مرکزی حکومت نے

تجارتی بینکوں سے لیا۔ یعنی پوری قوم نے جو بچت کی اس کا ایک چوتھائی مرکزی حکومت نے ان بینکوں سے قرض لیا ۔ علاوہ ازیں مرکزی بینک سے قرض بھی لیا گیا اور اب حکومت کا قرض ۸۰۰ ارب روپے کے قریب ہے جس میں تقریباً ۱۷ ملین ڈالر بیرونی قرض ہے۔ حکومت یہ قرض بہت سے غیر ترقیاتی کاموں پر بھی خرچ کرتی ہے جیسے دفاع، تنخواہیں وغیرہ اور جن ترقیاتی کاموں پر خرچ کرتی ہے ان کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں کہ اس سرمایہ کی پیدا آوری کیا ہے؟ مزید بر آں، بہت بڑے پیمانے پر اس وقت دنیا میں صرفی قرضے کریڈٹ کارڈ، ہاؤسنگ فنانس اور دیگر اثاثہ جات کی خریداری کیلئے لئے جاتے ہیں۔ امریکہ میں ایسے قرضوں کے بارے میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ وہ کل قرضوں کا ۳۱ فی صد ہیں۔ ایسے حالات میں یہ دعویٰ کہ آج کل کے دور میں زیادہ تر قرضے پیدا آوری ہیں حقیقت کے خلاف ہے۔

ب۔ سود اور افراط زر سے روپے کی قدر میں کمی کا مسئلہ

سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جانے لگی ہے کہ آج کل کے دور میں افراط زر کے مسلسل رجحان سے روپے کی اصل قدر وقیمت میں کمی ہو رہی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے قرض پر کوئی رقم بطور سود زائد وصول کرتا ہے تو وہ اصل میں زر کی قدر میں اس کمی کی تلافی ہی ہے۔ اس وجہ سے سود کو برا نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ تو انصاف قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ دلیل بھی کئی اعتبارات سے کمزور ہے:

اول۔ افراط زر صرف قرض خواہ ہی کو متاثر نہیں کرتا، بلکہ وہ معاشرہ کے دیگر افراد جیسے کہ تنخواہ دار طبقہ، مزدور طبقہ، چھوٹے دکان دار، پنشنر، کرایہ کی آمدنی پر انحصار کرنے والے وغیرہم کو بھی متاثر کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی تلافی کی بات نہیں کی جاتی بلکہ صرف صاحب سرمایہ طبقہ کے تحفظ کا سوال پیدا کیا جاتا ہے۔ اگر معاشرتی انصاف ہی مقصود ہے تو ہر طبقہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ غور کریں کہ اگر سب کی تلافی کا سوچیں گے تو معاشرہ میں کس قدر اہم تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

دوم۔ افراط زر کے ذریعہ سے قدر و قیمت میں کمی مقروض کے کسی عمل سے وجود میں نہیں آتی' پھر مقروض کو اس کی تلافی پر کیوں مجبور کیا جائے؟

سوم۔ خود افراط زر کی بڑی وجہ یہ سود ہی ہے' اس کے دو راستے ہیں۔ ایک تو سود لاگت پیداواری میں شامل ہو کر قیمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ایک خیالی مکمل مقابلے والی معیشت میں ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو' لیکن عملی دنیا جس میں مکمل مقابلہ کبھی وجود میں نہیں آتا اور اشیاء کی شکل و صورت' کوالٹی' برانڈ وغیرہ میں فرق کے ذریعہ سے قیمتوں میں فرق ڈالا جا سکتا ہے' وہاں سود لاگت پیداوار میں شامل ہوتا ہے اور نتیجہ قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ سود سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ یہ بات اب مسلمہ ہے کہ سود اور سرمایہ کاری کا آپس میں الٹا تعلق ہے۔ یعنی سود میں اضافہ سے سرمایہ کاری میں کمی اور سود میں کمی سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا سود سرمایہ کاری کو روک کر اشیاء کی پیدائش پر قدغن لگاتا ہے' جس سے رسد میں کمی آتی ہے اور اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے[۹]

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ آج کل افراط زر کا سب سے بڑا ذریعہ تو خود حکومتوں کی خسارہ کی سرمایہ کاری (Deficit Financing) ہے' مثلاً پاکستان میں ۹۳۔ ۱۹۹۲ء کے بجٹ میں خسارہ کا تخمینہ ۴۵ ارب روپے ہے جب کہ اس سال سود کی ادائیگی پر ۷۲ ارب روپے خرچ آئے گا۔ غور کیجئے کہ کل کا کل خسارہ ختم ہو جائے اگر سود کی ادائیگی نہ کرنا پڑے۔ ان ۷۲ ارب روپوں میں ۵۷ ارب روپے تو اندرون ملک سے لئے گئے قرضوں کا سود ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ افراط زر کا سب سے بڑا ذریعہ حکومتوں کا خسارہ اور خسارے کی سب سے بڑی مد سود کی ادائیگی ہے۔ اگر ہم معیشت کو صحیح رخ پر ڈالنا چاہتے ہیں تو سود کی ادائیگی بند کر دیں' اس سے خسارہ یکشت ختم ہو جائے گا' بلکہ تقریباً ۲۷ ارب روپے مزید بھی بچ رہیں گے جن سے ہم دوسرے مفید کام کر سکتے ہیں۔

ج۔ سود: سرمایہ کے استعمال کا معاوضہ؟

سود کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یہ سرمایہ کے استعمال کا معاوضہ ہے۔ کیا حقیقت میں ایسا ہی ہے؟ سرمایہ' زر کی شکل میں پیدا آور نہیں ہے' اسے پیدا آور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ اپنی شکل تبدیل کرے' یعنی یہ زر سے کسی طبعی اثاثہ میں منتقل ہو۔ اس صورت میں یہ پیدا آور ہو سکتا ہے۔ کسی اثاثہ کے پیدا آور ہونے سے اس کے استعمال کے ذریعہ اس میں فرسودگی پیدا ہوتی ہے' وہ قدرتی حوادث کا شکار ہوتا ہے' اس کے استعمال کے لئے بعض دوسری لاگتیں بھی لگانا پڑتی ہیں' جیسے کہ مشینوں کے لئے تیل اور بجلی وغیرہ' لہٰذا جب بھی کسی اثاثہ کو استعمال کیا جاتا ہے تو وہ اثاثہ اپنی اصل میں سے کچھ نہ کچھ ضرور کھو دیتا ہے۔ لیکن زر ایک واحد اثاثہ ہے جس کو "استعمال" بھی کر لیا جائے تو وہ ویسے کا ویسا ہی رہے اور مالک اسے ویسے ہی واپس لینے کے لئے اصرار کرے اور اس پر مستزاد ایک معاوضہ بھی مانگے۔ مادی اثاثہ جات کے استعمال پر ان کے معاوضہ کا حق اس فرسودگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو ان کے استعمال سے وجود میں آتی ہے' لیکن زر کے سلسلہ میں ایسی کوئی چیز اس کے "استعمال" سے لاحق نہیں ہوتی' پھر اس کے معاوضہ کا مطالبہ کس بنا پر؟ جن کا اثاثہ جات پر کرایہ جائز سمجھا جاتا ہے' جیسے مکانات' سواری وغیرہ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اثاثہ جات استعمال سے فرسودگی کا شکار ہوتے ہیں' یہ آفات ارضی و سماوی کا سامنا بھی کرتے ہیں' لہٰذا مالک کو ان کے استعمال کا کرایہ لینے کا حق ہے۔

ضمناً یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ سود کی وجہ سے اشیاء کے کرائے اور منافع کی شرح میں کسی حد تک ایک استحصالی رجحان اور عدم لچک پیدا ہو جاتی ہے اور اگر سود نہ ہو تو کرایوں اور منافع کی شرحیں بھی معتدبہ حد تک کم ہو جائیں۔ اس معاملہ کو اس دلیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک لاکھ روپے نقد ہوں

اور اسے اس پر ۱۵ فیصد سود گھر بیٹھے مل سکتا ہو' تو پھر وہ شخص اگر ان روپوں سے کوئی عمارت لے لے تو وہ کبھی بھی اس کا کرایہ ۱۵۰۰۰ روپے سالانہ سے کم لینا پسند نہیں کرے گا' بلکہ وہ اس سے زائد ہی مانگے گا' کیونکہ ۱۵۰۰۰ روپے تو اسے بغیر کوئی خطرہ مول لئے سود پر مل سکتے ہیں۔ یہی معاملہ منافع کا ہے۔ لیکن اگر معیشت سے سود ختم ہو جائے تو پھر نقد والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر کسی نے معاوضہ لینا ہو تو اسے کوئی پر خطر کام کرنا ہو گا جس سے معیشت میں سرمایہ کی رسد بڑھے گی اور شرح معاوضہ کم ہو جائے گی' خواہ یہ معاوضہ کرایہ کی شکل میں ہو یا منافع کی شکل میں۔

د۔ سود بحیثیت آلہ رسد و طلب سرمایہ؟

(Interest as a Rationing Device)

سود کے بارے میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ سود معیشت میں سرمایہ کی راشن بندی کرتا ہے۔ جو سرمایہ میسر ہوتا ہے وہ اسے پیدا آور کاموں میں لگاتا ہے حتیٰ کہ سرمایہ کی رسد و طلب برابر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سود سرمایہ کی قیمت کے طور پر ایک اہم عامل کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ یہ دلیل بھی چند در چند غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔

اول یہ کہ عملی زندگی میں ہم سود کی موجودگی میں بھی طلب و رسد برائے سرمایہ کو برابر نہیں دیکھتے۔ اس کی عملی اور تازہ مثال وزیر اعظم کی سکیم برائے روزگار ہے جس میں ۱۷ فی صد شرح سود کے باوجود قرض لینے والے لاکھوں ہیں' جب کہ سرمایہ اتنا نہیں ہے کہ سب کو دیا جا سکے۔ اب کسی بھی بینکر کو انٹرویو کر کے دیکھ لیں' جتنے لوگ رائج الوقت شرح سود پر قرض مانگ رہے ہیں بینک ان کے ایک بہت قلیل حصہ کو قرض دے سکتے ہیں' لہٰذا یہ کہنا کہ سود طلب و رسد کو برابر کر دیتا ہے' غلط ہے۔

دوم' باوجودیکہ بینک قرض دیتے وقت قرض خواہ کی مالی حیثیت اور قرض کے مقصد کو دیکھتے ہیں' لیکن بے شمار قرض ایسے مقاصد پر صرف ہوتے ہیں جن سے پیدا

آوری میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کی بہترین مثال حکومت کے قرضے ہیں جو حکومت مختلف پراجیکٹس کیلئے لیتی ہے۔ قرضہ منظور کرنے سے پہلے بین الاقوامی مالی ادارے مثلاً ورلڈ بینک' ایشین بینک وغیرہ پورے پراجیکٹ کا معاشی اور مالیاتی تجزیہ کرتے ہیں اور شرح سود کے حساب سے پراجیکٹ کی موجودہ مالیت (Net Present Value) نکال کر اطمینان کرتے ہیں کہ اس پراجیکٹ سے اتنا فائدہ ہوگا کہ رائج الوقت شرح سود پر اسے قرضہ دیا جائے تو یہ پراجیکٹ اپنا قرض خود واپس کر سکے گا' لیکن عملی طور پر نصف سے زیادہ پراجیکٹ ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایشین بینک کی ایک تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس کے ۴۰ فی صدی سے زیادہ قرضے ایسے پراجیکٹ کیلئے دیئے گئے ہیں جو نفع آور نہ ہوئے اور ناکام ہو گئے[۱۵]۔ ایسا ہی اعتراف ورلڈ بینک کو بھی ہے[۱۶]۔ سوال یہ ہے کہ اگر سود ایسی ہی جادو کی چھڑی ہے کہ اس کے ذریعے سے سرمایہ کو پیداآور کاموں کی طرف موڑا جا سکتا ہے تو پھر اس بڑے پیمانے پر پراجیکٹ ناکام کیوں ہوتے ہیں؟

سوم' اگر ہم اپنے ارد گرد دیکھیں تو سرمایہ عالی شان عمارتوں کی تعمیر اور بہت سے ایسے پراجیکٹ جن کی حیثیت نمائشی ہوتی ہے پر لگتا ہے' جب کہ معاشرے میں بے شمار غریب اور مفلوک الحال لوگ آباد ہوتے ہیں جو نان جویں کے بھی محتاج ہوں۔ اگر سرمایہ معاشرتی طور پر مفید کاموں میں لگایا جاتا ہو تو پھر یہ عدم توازن کیوں ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ سود سرمایہ کو مفید جگہوں کی طرف نہیں موڑتا' بلکہ یہ اس کا رخ انہی کاموں کی طرف موڑتا ہے جہاں سے قرض خواہ کو اپنا اصل مع سود ملنے کی امید ہو' خواہ مقصد کیسا ہی ہو۔ یہ سب اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ ہر وقت مقصد کی اولیت کا ورد زبان پر رہتا ہے اور عملی طور پر سرمایہ کے تحفظ اور سود کی وصولی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

ھ۔ سرمایہ کی قدر موجودہ اور قدر مستقبل کا فرق

(Difference Between Present and Future Value of Capital)

سود کے حق میں ایک بہت بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سود اصل میں اس فرق کو دور کرتا ہے جو کہ سرمایہ کی قدر موجودہ (Present Value) اور قدر مستقبل (Future Value)میں پایا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں دلیل یوں ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو آج ۱۰۰ روپے قرض دے اور ایک سال بعد واپس لے تو ان ۱۰۰ روپوں کی موجودہ یا حالیہ قدر' مستقبل کے ۱۰۰ روپوں سے زیادہ ہے' کیونکہ یہ رقم آج اس شخص کے پاس ہے اور مستقبل غیر یقینی ہی ہے اور پر خطر بھی۔ چنانچہ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ چونکہ ہر شخص کیلئے عام چیزوں کی قدر موجودہ ان کی قدر مستقبل سے زیادہ ہوتی ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص اپنا سرمایہ اپنے سے جدا کرتا ہے اور مستقبل میں وصول کرنے پر راضی ہو جاتا ہے تو گویا عملاً اس نے ایک کم تر قدر کی وصولی پر رضامندی کی ہے۔ قدر میں اس کمی کا ازالہ یوں ہو سکتا ہے کہ اسے ایک رقم سود کے طور پر دی جائے اور اس طرح ان روپوں کی قدر مستقبل کو قدر موجودہ کے برابر کر دیا جائے۔ یہ دلیل اس قدر رائج ہے کہ تمام مالیاتی ادارے اس دلیل کی بناء پر سرمایہ کاری کا معاشی تجزیہ کرتے ہیں اور سرمایہ کا "داخلی معاوضہ" (IRR) نکالتے ہیں۔ ہمارے ملک میں پلاننگ کمیشن میں یہی فلسفہ صحیح مانا جاتا ہے اور اسی کے مطابق معاشی تجزیہ کر کے مختلف پراجیکٹس کو منظور یا رد کیا جاتا ہے۔

اس دلیل میں بہت سی کمزوریاں ہیں:

اول' جہاں تک کسی چیز کی قدر موجودہ اور قدر مستقبل میں فرق کا تعلق ہے تو وہ لوگ جو اتنا کماتے ہوں جتنا وہ خرچ کر لیتے ہوں تو ان کی حد تک یہ بات بالکل ٹھیک ہے' کیونکہ ان کے نزدیک ان کی آمدنی کی قدر موجودہ' قدر مستقبل سے زیادہ

ہے' لہٰذا وہ حال ہی میں اسے صرف کر کے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ تسکین کا سامان کر لیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک مال دار طبقے کا تعلق ہے تو یہ طبقہ اپنی صرفی ضروریات کے بعد جو مال بچاتا ہے تو اس طبقہ کے لئے اس کی قدر مستقبل' قدر موجودہ سے زیادہ ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ بچت کرتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں جب بھی کہیں ایک روپیہ بچایا جاتا ہے تو وہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس روپے کی حد تک قدر مستقبل' قدر موجودہ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ یہی وہ روپیہ ہے جو مارکیٹ میں قرض کیلئے میسر آتا ہے۔ اب اس روپے پر مزید سود ادا کر کے اس کی مستقبل اور حالیہ اقدار کو برابر کرنے کا کیا مطلب ؟ اگر برابر ہی کرنا ہے تو پھر صاحب سرمایہ کو چاہئے کہ وہ قرض لینے والے کو اس سرمایہ کی حفاظت کا کچھ معاوضہ دے' کیونکہ وہ اس روپیہ کی قدر موجودہ (جو کم ہے) کو اس وقت واپس کرے گا جب اس کی قدر میں اضافہ ہو چکا ہو گا۔ غرضیکہ زر کی قدر مستقبل اور قدر موجودہ کا مقدمہ محض خلط مبحث ہے۔

دوم' یہ کہ مختلف پراجیکٹس کے معاشیاتی تجزیہ میں منافع اور لاگت کے تخمینے اور ان پر سود کا شمار سب اندازے ہوتے ہیں' اور بہت سے مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں' جو عملی زندگی میں کبھی مرتب ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔ ان مفروضوں پر سود کا شمار کر کے یہ اندازہ لگانا کہ فلاں تجویز سرمایہ کاری نفع بخش ہو گی اور فلاں نہیں' کوئی محکم حکمت عملی نہیں ہے۔

سوم' اس معاشیاتی تجزیہ میں شرح سود کا تعین بھی کسی معروضی طریقے سے نہیں کیا جاتا' یعنی یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ سرمایہ کاری کی لاگت اور منافع کی قدر مستقبل اور حالیہ قدر میں فرق کس شرح سے کیا جائے اور اس کی کیا وجہ ہو؟

غرضیکہ' سرمایہ کاری کے فیصلہ کیلئے شرح سود پر مبنی جو معاشیاتی تجزیہ کیا جاتا ہے وہ کسی محکم بنیاد پر قائم نہیں ہے۔

و۔ سود اور بچتیں

بعض لوگ اس خدشہ کا اظہار کرتے ہیں کہ سود' جو کہ بچتوں کا ایک محرک ہے' کے خاتمہ کے بغیر معاشرہ میں بچتوں کی رسد کم ہو جائے گی اور اس طرح سرمایہ کیلئے رقوم کی طلب و رسد میں ایک عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ یہ خدشہ بھی چند ایسے مفروضوں پر قائم ہے جن کی عملی زندگی میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مثلاً یہ مقدمہ کہ "سود بچتوں کا محرک ہے" ایک نا قابل ثبوت مفروضہ ہے۔ بچتوں کے محرک بہت سے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے معاملہ میں اور بعض حالات میں سود کا لالچ بھی بچت کیلئے محرک ہو' لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ لوگ اس وقت بھی بچت کرتے ہیں جب کہ شرح سود منفی ہو' یعنی جب قیمتوں میں اضافہ کی شرح' سود کی شرح سے زیادہ ہو۔ اگر سود بچتوں کیلئے محرک ہوتا تو ایسے حالات میں بچتوں کی شرح صفر ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ ورلڈ بینک کی ۱۹۹۲ء کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ممالک جن میں صومالیہ' ملاوی' نائیجیریا' زیمبیا' زمبابوے' پولینڈ' کوسٹاریکا' اور میکسیکو شامل ہیں' کی پچھلے سال کی شرح سود منفی تھی۔ (یعنی ان ممالک میں شرح افراط زر' شرح سود سے زیادہ تھی) لیکن بچتوں کی شرح اضافہ مثبت تھی[۱۱]۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں میں بہت سے ایشیائی و یورپی ممالک میں اور خود امریکہ میں بعض سالوں میں شرح سود منفی رہی' لیکن بچتوں میں اضافہ کا رجحان بدستور رہا ——— اگر شرح سود اور بچتوں کا تعلق وہ ہوتا جو اس مقدمہ میں بیان کیا جاتا ہے تو بچتوں میں کمی ہونا لازم تھی۔

اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کینز (Keynes) نے اپنے نظریہ میں یہ بات ثابت کی کہ بچتوں اور شرح سود کا آپس میں معکوسی تعلق ہے' یعنی اگر شرح سود زیادہ ہو تو بچتیں کم ہوں گی اور شرح سود کم ہو تو بچتیں زیادہ اور اس کی دلیل بھی بہت سادہ ہے' وہ یوں کہ شرح سود' سرمایہ کاری پر قدغن لگاتی ہے' جس

سے سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، جس سے آمدنیوں میں کمی آتی ہے، جس سے بچت میں کمی ہوتی ہے۔ لہٰذا جوں جوں شرح سود کم ہوگی، سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، آمدنیوں میں اضافہ ہوگا اور بچتوں میں بھی اضافہ ہوگا۔ چنانچہ اگر ہم پاکستان ہی کے اعداد و شمار دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان میں بچتوں کی شرح ۱۲ فی صدی تھی جب کہ شرح سود ۵ فی صدی تھی اور ۱۹۸۵ء میں بچتوں کی شرح ۵ فی صدی رہ گئی جب کہ شرح سود ۱۶، ۱۷ فی صدی تھی[۳۱]۔

غرضیکہ یہ مقدمہ کہ "سود بچتوں کے لئے ایک محرک ہے" معاشی طور پر قابلِ دفاع نہیں ہے۔ یوں بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بات قرینِ قیاس نہیں ہے کہ اگر سود ختم ہو جائے تو لوگ اپنی زائد آمدنی کو تکیوں کے غلافوں یا زمین دوز گڑھوں میں رکھنا شروع کر دیں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کی یہ بچتیں کسی نہ کسی بینک کا رخ کریں گی جہاں سے وہ سرمایہ کاری کیلئے میسر آئیں گی۔ اس طرح سے سرمایہ کی طلب و رسد کا وہ توازن جس کے لئے سود کو ایجاد کیا جاتا ہے قائم ہو جائے گا، خواہ سود نہ بھی ہو۔

ز۔ سود اور مواقع سرمایہ کاری کی لاگت (Opportunity Cost)

سود کے حق میں ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص اپنا سرمایہ کسی دوسرے کو دیتا ہے تو وہ گویا مستقبل کے ایسے مواقع جو اسے خود میسر آسکتے تھے، جن کے ذریعہ وہ اس سرمایہ سے کچھ کما سکتا تھا، سے دست بردار ہو رہا ہوتا ہے، چنانچہ اس ایثار کی وجہ سے مقروض کو چاہئے کہ وہ دائن کو سود کی شکل میں کچھ زائد رقم لوٹائے۔ سود کے حق میں یہ دلیل اول اول اس زمانے میں پیش کی گئی جب عیسائی چرچ سود کے سخت مخالف تھا۔ اس پر بعض لوگوں نے ایک قدرتی مجبوری کے طور پر اس نظریہ کو پیش کیا اور بعض پادریوں نے اس کے اندر کچھ معقولیت دیکھی اور سود کی اجازت دے دی، جس کے نتیجے میں پھر سود اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ

معیشت میں داخل ہوگیا۔

اس دلیل میں سقم یہ ہے کہ یہ دو اشخاص کے درمیان قرضِ حسنہ کے لین دین اور بینک اور عام آدمی کے لین دین کے معاملہ کو یکساں سمجھتی ہے۔ ایک شخص اگر کسی بینک سے کوئی رقم قرض لیتا ہے تو بینک کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ اپنی رقم واپس لے لے' اگر بینک کو اس سے بہتر تجارت کی کوئی شکل درپیش آتی ہے۔ اس طرح سے اگر کسی شخص نے بینک میں کوئی رقم رکھی ہوئی ہے تو وہ بھی جب چاہے بینک سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ ان صورتوں میں کسی موقع کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اول صورت میں جب بنک کسی کو کوئی رقم قرض دیتا ہے تو وہ اسی لئے دیتا ہے کہ بینک کے پاس وہ رقم فالتو ہوتی ہے اور بینک کے لئے کوئی دوسرا موقع بھی تو ایسا ہی ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص رقم ادھار لینے آئے گا۔ اور قرضِ حسن کی شکل میں دونوں مواقع برابر ہیں۔ بینک کوئی اور کام تو کرتا ہی نہیں۔ جہاں تک ایک بچت کنندہ کا بینک میں رقم رکھنے کا تعلق ہے تو اگر اس شخص نے بینک میں اپنی رقم رکھی ہو' خواہ وہ مقررہ مدت ہی کے لئے ہو' تب بھی اگر اسے کوئی نفع بخش موقع میسر آتا ہے تو وہ بینک سے اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ اس میں کسی موقع کے ضائع ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں۔ پھر اس کے معاوضہ بشکل سود کی کیا گنجائش؟

ح۔ ربا کی فقہی تعبیر

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو لوگ سود کو ایک تمدنی اور معاشی ضرورت کے طور پر پیش کرتے ہیں ان کے دلائل بہت کمزور ہیں۔ اب ہم بتائیں گے کہ فقہاء نے ربا کی جو تعریف کی ہے وہ کس قدر جامع ہے اور کس طرح سے رائج الوقت سود اس کے ضمن میں آجاتا ہے۔ ربا کی فقہی تعریف یہ ہے:

> "قرض کے معاملہ میں ایسا اضافہ (یا اشیاء کے تبادلہ میں ایسا اضافہ) جو کہ قرض خواہ (یا شے کے مالک کا) حق قرار پائے' جس کے بدلے میں قرض خواہ (یا شے کا

مالک) مقروض (یا خریدار) کو کوئی شے نہ دے"۔

یعنی یہ ایک ایسا اضافہ ہے جس کے "عوض" کوئی دوسری چیز نہ ہو۔ مثال کے طور پر جب ایک مقروض کسی سے ۱۰۰ روپے قرض لیتا ہے اور واپسی کے وقت ۱۱۰ روپے لوٹاتا ہے تو ان میں ۱۰۰ روپے تو اصل زر کا بدل ہے جب کہ ۱۰ روپے کسی خدمت، شے، یا خطرے سے تحفظ کی قیمت نہیں ہے، یہ کسی چیز کا عوض نہیں ہے، اور یہی ربا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ تبادلہ میں اضافہ کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو یہ اضافہ کسی شے کی قیمت ہو، یا کسی خدمت کا معاوضہ، یا کسی خطرہ سے تحفظ کی ضمانت ہو۔ جیسے کہ کوئی بینک کسی کی رقم اپنے پاس رکھے اس شرط پر کہ اگر اس میں کوئی کمی ہو تو بینک ذمہ دار ہو گا اور اس ضمان کو قبول کرنے کا وہ کوئی معاوضہ لے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی شخص یا ادارہ کسی دوسرے شخص یا ادارہ کی کوئی رقم لیتا ہے تو وہ بغیر کسی "عوض" کے ہوگی اور یہی "ربا" ہے۔

غور کیا جائے تو "ربا" اور "سود" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ربا کی یہ تعریف اس قدر جامع ہے کہ اس میں نہ مقصدِ قرض کا ذکر ہے، نہ مدت کی کمی بیشی کا، نہ شرح اضافہ کا، نہ فریقین تبادلہ کا۔ چنانچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر شرح اضافہ پیشگی متعین ہو تو یہ معاملہ ربا ہو گا اور اگر تغیر پذیر ہو تو نہیں۔ یہ بات کلیتہً صحیح نہیں ہے، جزوی طور پر صحیح ہے۔ اس طرح سے بعض نے مقصد کے اعتبار سے سمجھا کہ اگر صرفی قرضوں کیلئے ہو تو ربا ہے اور تجارتی قرضوں کیلئے ہو تو نہیں۔ بعض نے شرح سود میں کمی یا زیادتی کے ساتھ اس میں تمیز کرنے کی کوشش کی۔ مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ فقہاء نے ربا کی جو تعریف کی ہے وہ ان تمام شرائط سے پاک ہے۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ یہ تعریف رائج الوقت سود پر بدرجہ اولیٰ لاگو ہوتی ہے۔

فقہاء کی اس تعریف کے پس منظر میں خود قرآن پاک کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ" (آپ اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہیں) یا یہ کہ

"وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٰا" (جو سود رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو)[۵۲] قرآن کے اس مطلق حکم کے بعد کسی بھی قسم کے اضافہ (قرض کے معاملہ میں) کو رِبا ہی تصور کیا جائے گا۔

سود کی متبادل اساس

سود اور ربا میں کامل مماثلت کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سود حرام ہے تو پھر مالیاتی اداروں کی تشکیل کس بنیاد پر کی جائے؟۔۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مشہور اور اکثریت کی تائید یافتہ رائے یہ ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر مالی لین دین کیا جائے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بینک لوگوں کو نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر رقوم فراہم کریں' اور پھر اپنے مجموعی نفع یا نقصان کو بچت کنندوں میں تقسیم کریں۔ اس موضوع پر بھی بہت سا لٹریچر موجود ہے' بلکہ اگر کہا جائے کہ اسلامی معاشیات کا یہ وہ شعبہ ہے جس میں سینکڑوں مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں تو کوئی مبالغہ نہ ہو گا[۵۳] مختلف قسم کے بینکاری کے ماڈل پیش کئے جا چکے ہیں' ان کو یہاں دہرانا ایک غیر ضروری سی بحث ہوگی۔ البتہ اس مقالہ میں ان مسائل کا سامنا کرنے کی کوشش کی جائے گی جو ہنوز حل طلب ہیں۔ ضمناً یہ عرض ہے کہ اسلامی بینکاری کے نام پر اس وقت دنیا میں ۶۰ سے زائد بینک کام کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک خالصتاً اسلامی ہیں' یہ بحث اس وقت مقصود نہیں ہے۔ بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان اداروں نے کسی حد تک سود سے کنارہ کشی ضرور کی ہے' اور مالیات کے میدان میں ایسی جدتیں پیدا کی ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں پہلے نہیں تھیں۔

نفع و نقصان میں شرکت اور حسابات میں دیانت کا مسئلہ

غیر سودی بینکاری میں نفع و نقصان میں شرکت کا تصور سامنے آتے ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اِس وقت ہمارے ملک میں بالخصوص اور دوسرے ملکوں میں بالعموم

امانت و دیانت کا وہ معیار نہیں ہے کہ بینک بلا خوف و خطر کسی کاروباری فرم کو سرمایہ فراہم کر دیں اور وہ فرم نہایت دیانت سے اسے استعمال کر کے جو بھی نفع و نقصان ہو وہ ٹھیک ٹھیک پیش کر دے۔ زیادہ امکان اس کا ہے کہ لوگ جعلی کھاتوں اور جھوٹے اکاؤنٹس کے ذریعے سے بینکوں کو اپنے نقصانات کی تفصیل پیش کریں گے۔ اس طرح بینک جو لوگوں کے مال کے امین ہیں وہ خسارے کا شکار ہو جائیں گے اور بچت کنندوں کی بچتیں تباہ ہو جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ نفع و نقصان میں شرکت کے تصور پر یہ ایک بہت ہی وزنی اور مؤثر اعتراض ہے' چنانچہ اس وجہ سے پاکستان و ایران میں بالخصوص اور باقی جگہوں پر بالعموم اسلامی بینکوں نے کاروبار کی ایسی شکلیں ایجاد کر لی ہیں جن کے ذریعے بینکوں کو حسب سابق ایک لگی بندھی رقم بنام منافع یا بنام مارک اپ ملتی رہے' اور کوئی خطرہ مول نہ لینا پڑے۔ اس طرح سے عملاً بینکوں نے ایک ایسا راستہ اختیار کر لیا ہے جس میں نام کی حد تک تو "سود" ختم ہے لیکن اپنی روح اور اثرات کے ساتھ یہ بالکل باقی ہے۔ اس کا بس نام تبدیل کر دیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال کا کیا حل ہے؟ مختلف لوگوں نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض نے تجویز کیا کہ بینکوں کو خصوصی آڈٹ کا اختیار ہو' بعض نے بینکوں کے لئے خصوصی نگرانی کا حق تجویز کیا ہے' بعض نے مارک اپ کی تائید میں ایک پورا فلسفہ تصنیف کر ڈالا۔ البتہ شیخ محمود احمد مرحوم و مغفور جنہوں نے اس مسئلہ پر ربع صدی سے زیادہ غور کیا وہ سرے سے نفع و نقصان میں شرکت کی عملیت کے ہی قائل نہ تھے اور انہوں نے وقت کے تبادلے کا ایک نظریہ پیش کیا[۱۲] اس مقالہ میں ان کے نظریہ کا جائزہ لینا مشکل ہے' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک بالکل نیا نظریہ پیش کیا جس کی ابھی تک مکمل طور پر اشاعت نہیں ہو سکی اور نہ ہی اس کے حسن و قبح پر بحث ہو سکی ہے۔ وہ نظریہ ایسا ہے جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ وہ تمام موجودہ نظام کو بیخ و بن سے ادھیڑ کر ایک

بالکل نئی بنیاد پر مالیاتی نظام کو برپا کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم ان کے نظریہ کو زیر بحث لائے بغیر یہ عرض کرتے ہیں کہ درج ذیل خیالات موجودہ نظام میں جزوی تبدیلیوں کے ساتھ سود کو معیشت سے نکالنے کی غرض سے پیش کئے جارہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم موجودہ نظام میں کوئی بڑی تبدیلی کئے بغیر سود کے خاتمہ کی چند تجاویز پیش کریں گے۔

اب اصل سوال کی طرف واپس آتے ہیں کہ اگر مالیاتی نظام کی بنیاد نفع و نقصان میں شرکت ہے تو حسابات میں گڑ بڑ کو روکنے کا کیا طریقہ ہے ؟------ ہمارے خیال میں اس کے دو طریقے ہیں اور دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر استعمال میں لائے جاسکتے ہیں:

اول، بینکوں کیلئے سینکڑوں اور لاکھوں ایسے لوگوں سے معاملہ کرنا جو نہ حساب رکھ سکتے ہیں اور نہ رکھنا چاہتے ہوں اور جن کی امانت دیانت کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جاسکتی ہو، بہت مشکل نظر آتا ہے، چنانچہ ہماری رائے میں ایک "درمیانی واسطہ" (Intermediary) وجود میں لایا جائے۔ اس کی شکل یہ ہو کہ بینک چند ایک بڑی بڑی کمپنیوں سے تعلق رکھیں، یہ کمپنیاں پبلک لمیٹڈ ہوں جن کے حصص سٹاک ایکسچینج پر خریدے اور بیچے جاسکتے ہوں، جن کا انتظام پیشہ ور مینیجرز کے ہاتھ میں ہو، جن کے حسابات پیشہ ور آڈیٹرز تصدیق کرتے ہوں۔ یہ کمپنیاں خواہ وہ مال بناتی ہوں یا درآمد برآمد کے کام میں ہوں، بینک اپنا روز مرہ کا لین دین انہی سے کریں۔ رہا معاملہ عام کاروباری اداروں کا، جن کی ضروریات محدود مگر روز مرہ ہیں، جنہیں اپنے مال کو خریدنے یا تھوڑے وقت کے لئے چالو سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ ادارے ان بڑی کمپنیوں سے رابطہ رکھیں۔ بینک بڑی کمپنیوں کو اس ادھار کا ایک حصہ نفع و نقصان میں شرکت کی بناء (Re-finance) پر دیں جو یہ بڑی کمپنیاں چھوٹے اداروں کو دیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کمپنی سیمنٹ کے بزنس میں ہے تو وہ چھوٹے ڈیلروں کو ادھار مال دے، اور جس قدر یہ مال چھوٹے کاروباری

لوگوں کو ادھار دے اس کا ایک حصہ (۷۰ یا ۸۰ فی صدی) بینک اس بڑی کمپنی کو نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر دے۔ اب چھوٹے کاروباری لوگوں سے اس کمپنی کی روزمرہ کی لین دین رہتی ہے' یہ ان سے اپنے سرمائے کو واپس لے اور بینک صرف بڑی کمپنی سے واسطہ رکھے۔ جب اس کو پیسہ واپس ملے تو یہ بینک کو لوٹا دے اور ساتھ ہی نفع و نقصان کا حساب کرکے سال کے آخر میں نفع و نقصان میں شرکت بھی کرے۔ اس میں ایک اہم احتیاط یہ ضروری ہے کہ سیمنٹ کمپنی چھوٹے تجارتی اداروں کو ادھار مال اس قیمت پر دے جس قیمت پر یہ نقد بیچتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کمپنیاں ہر ایک کو ادھار دینے پر مجبور ہوں۔ جس چھوٹے ڈیلر کے بارے میں انہیں اطمینان ہو اسے وہ ادھار دیں' باقی کو نقد۔ البتہ بڑی کمپنی کو یہ تسلی ہوگی کہ اس کا اپنا پیسہ اس میں نہیں پھنسے گا بلکہ بینک سے اسے سرمایہ مل جائے گا۔

بینکوں کو جو نفع و نقصان اس طرح سے حاصل ہو وہ سب کا سب بچت کنندوں کو دے دیں' بینک اس میں سے اپنا حقِ خدمت وصول کرلیں۔ ہاں' البتہ اگر بینک نے اپنا کوئی سرمایہ یا عندالطلب کھاتہ داروں (Demand Deposits) کے پیسہ میں سے کوئی رقم اس کام کے لئے صَرف کی ہو تو بینک ان رقوم پر سارے کا سارا نفع خود رکھے گا اور سارے نقصان کا بھی خود ہی ذمہ دار ہوگا۔

دوم' کاروباری لوگوں کی بہت سی انجمنیں وجود میں آئیں' جن کے قواعد و ضوابط باقاعدہ حکومت سے منظور ہوں' جن کی کارکردگی پر حکومت نگاہ بھی رکھے۔ یہ انجمنیں اپنے ممبران کی طرف سے لئے گئے قرض کی واپسی اور حسابات میں درستگی کی ضمانت دیں' اور اگر کسی وجہ سے بینک کو ان سے لین دین کرتے وقت یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ حسابات میں گڑبڑ کررہی ہیں تو پہلے مرحلے میں یہ انجمنیں ہی ان کے حسابات چیک کروائیں اور بازار کے عام حالات کی روشنی میں تصدیق کریں کہ حسابات ٹھیک ہیں۔ دوسرے مرحلے میں بینک خود بھی ان حسابات کو چیک کرواسکے۔ تیسرے مرحلے میں ان فرموں کو کسی بھی دوسرے بینک سے سرمایہ حاصل کرنے میں دشواری لاحق کردی جائے۔

بینکوں کی آمدن کا مسئلہ

ہمارے خیال میں آج کل کے بینک مشارکہ' مضاربہ یا براہ راست سرمایہ کاری (Equity) کے ذریعہ سے رقوم فراہم کرنے میں یہ دِقت محسوس کر رہے ہیں کہ اس طرح سے وہ ایک ایسا خطرہ مول لے لیں گے جس کے ذریعہ سے بچت کنندہ کی رقوم ڈوب سکتی ہیں۔ لہٰذا از راہ احتیاط وہ سرمایہ کاری کے ان طریقوں سے گریزاں ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بینک کے ملازمین عملی تجارت کا تجربہ نہیں رکھتے اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ عملی تجارت میں مات کھاجائیں۔ ایسے حالات میں شریعت کا بنیادی اصول کہ "نفع کا استحقاق نقصان کا خطرہ مول لینے کے ساتھ ہی ہے" (الخَرَاجُ بِالضَّمان) ہماری مدد کرتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ بینک خطرہ مول لینے کو تیار نہیں ہیں لہٰذا انہیں ان رقوم سے نفع لینے کا بھی کوئی حق نہیں ہونا چاہئے جو لوگوں نے ان کے پاس امانت کے طور پر رکھوائی ہیں۔ یہی اصول عام لوگوں کے لئے بھی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں جو لوگ بھی اپنے سرمایہ پر کوئی معاوضہ لینا چاہیں انہیں خطرہ بھی مول لینا ہو گا۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بچت کنندوں میں سے جو لوگ اپنی رقوم پر کوئی نفع لینا چاہیں وہ اس صراحت کے ساتھ اپنی رقوم بینک کے حوالے کریں کہ وہ اس رقم کو کسی نفع بخش کام میں لگادے۔ اس صورت میں نفع و نقصان دونوں ہی بچت کنندہ کے ہوں گے' بینک صرف اپنی خدمات کا معاوضہ سروس چارجز کی شکل میں وصول کرے گا۔ اس کی مزید تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ بچت کنندہ اپنی رقم کی سرمایہ کاری کسی خاص کاروبار یا کسی خاص طرز پر کرنے کی ہدایت بھی کردیں اور بینک ان ہدایات کے مطابق یہ کام کردیں۔

البتہ بینکوں کو یہ اختیار رہے کہ وہ عندالطلب کھاتوں میں سے ایک حصہ (جسے وہ فالتو سمجھیں) اپنے تصرف سے کسی کاروبار میں لگادیں۔ اس سرمایہ پر تمام نفع و

نقصان بینک کا ہوگا۔

یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ بچت کنندوں کے سرمایہ پر ہونے والا نفع اگر کسی خاص حد سے زیادہ ہو تو بینک کو بونس کے طور پر اس میں سے کچھ دیا جا سکتا ہے۔ اس سے بینکوں کو اچھی جگہوں پر سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب ہوگی۔

صنعتی سرمایہ کاری

صنعتوں یا بڑے بڑے پیدا آوری اداروں کو درج ذیل کاموں کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہو سکتی ہے:

ا۔ لمبے عرصہ کے لئے ناقابلِ واپسی (مالکانہ بنیادوں پر) سرمایہ
(Equity Participation)

ب۔ طویل یا درمیانی مدت کے لئے قابلِ واپسی سرمایہ
(Redeemable Equity)

ج۔ روزہ مرہ چالو اخراجات کے لئے (Working Capital)

د۔ درآمدات (یا برآمدات) کے لئے

ہ۔ ہنڈیوں کو بھنانے کے لئے

و۔ کرایہ پر اثاثہ جات کے حصول کے لئے

ا۔ مالکانہ بنیادوں پر ناقابلِ واپسی سرمایہ

بینک بچت کنندوں کی مرضی سے صنعتوں کے حصص خرید سکتے ہیں، اور جب ضرورت محسوس ہو، اسے سٹاک ایکسچینج پر فروخت کرسکتے ہیں۔ اس میں کوئی شرعی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

ب۔ طویل یا درمیانی مدت کے لئے قابلِ واپسی سرمایہ

صنعتوں کو ۳ سال سے ۱۰ سال کی مدت کے لئے قابل واپسی سرمایہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے، جس سے وہ مشینری یا بلڈنگ کی تعمیر کے کام میں مدد لے سکیں۔ پاکستان

میں اس کے لئے شراکتی سرٹیفکیٹ (Participatory Term Certificates) کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو بعد ازاں بند ہوگیا۔ ان شراکتی سرٹیفکیٹس کو دوبارہ شروع کیا جا سکتا ہے' البتہ ان میں یہ شرائط رکھی جائیں:

(ا) صنعتوں کو سرمایہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر فراہم ہوگا۔ نفع کی شرح باہمی رضامندی سے طے ہوگی' البتہ نقصان سرمایہ کی شرح سے ہوگا۔

(۲) جب تک مقرر شدہ عرصہ مکمل نہ ہوجائے اس وقت تک صنعتیں ایسا سرمایہ واپس نہ کرسکیں گی' یہ اس لئے کہ صنعتوں کی تعمیر میں اوائل میں ایسا وقت ہوتا ہے جب کوئی کاروبار شروع نہیں ہوتا اور نہ ہی نفع و نقصان پیدا ہوتا ہے۔ اگر صنعتوں کو یہ اختیار ہو کہ وہ طے شدہ مدت سے قبل بھی سرمایہ واپس کرسکتی ہیں تو پھر بعض لوگ اس سرمایہ سے عمارت اور مشینری کی تنصیب کرلیں گے اور جب نفع و نقصان تقسیم کرنے کا سوال پیدا ہو تو رقم واپس کردیں گے۔ البتہ بینک کو یہ اختیار رہے کہ مخصوص حالات میں (مثال کے طور پر کاروبار میں نقصان یا بد انتظامی کی صورت میں) خود اپنا سرمایہ واپس مانگ لے۔

(۳) نقصان کی صورت میں بینک کو صنعت کے حسابات کی خصوصی جانچ پڑتال کا اختیار رہے۔

ج۔ روز مرہ چالو اخراجات کے لئے سرمایہ

اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

اول' بینک "بیع السلم" کی بنیاد پر صنعتوں سے مالِ تجارت خرید لیں اور سرمایہ فراہم کردیں' جب مال تیار ہو تو وہ مال بنک کے پاس آجائے اور بنک وہ مال اپنے ایجنٹس کے ذریعہ سے فروخت کرے اور نفع کمائے۔ اس طریقہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوگی تاکہ بینک ایسے کاروبار میں ہاتھ نہ ڈال لے جس کے مال کو بیچنا مشکل ہو۔

دوم' بینک مبادلۂ وقت (TMCL) کی بنیادوں پر سرمایہ فراہم کرے۔ یہ شیخ محمود احمد صاحب کا نظریہ ہے۔ اس کے مطابق جس صنعت نے بینک سے قلیل مدت کے لئے سرمایہ لینا ہو وہ اس سرمایہ کا ایک حصہ طویل مدت کے لئے بینک کے پاس جمع کرادے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ یوں کہ اگر کسی صنعت کو ۱۰۰،۰۰۰ روپے ایک ماہ کیلئے درکار ہوں تو وہ بینک کے پاس ۵۰۰۰ روپے ۲۰ ماہ کے لئے جمع کرادے اور اس طرح اپنے اپنے مقررہ وقت پر دونوں اپنی رقوم لوٹادیں۔ بنک اس طرح کی جمع شدہ رقوم کو خالصتاً اپنے ذمہ پر نفع و نقصان کی بنیاد پر کسی کاروبار میں لگا سکتا ہے یا حصص خرید سکتا ہے۔

د۔ درآمدات یا برآمدات کے لئے سرمایہ

درآمدات اور برآمدات کے لئے حصولِ سرمایہ درج ذیل بنیادوں پر ہو سکتا ہے:

کاروباری حضرات/ ادارے جس چیز کی درآمد کرنا چاہتے ہوں اس کی تفصیل اور اس سے متوقع منافع کا حساب بینک کو پیش کریں۔ پھر بینک نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر انہیں سرمایہ فراہم کردے اور متوقع منافع کے مطابق اپنا حصہ لے لے۔ بعد ازاں اگر منافع زیادہ یا کم ہو تو حساب فہمی کی جا سکتی ہے' نقصان کی صورت میں بینک اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان میں بھی شریک ہو' البتہ بینک کو کاروباری ادارہ کے حسابات کی پڑتال کا حق رہے گا۔ یہی معاملہ برآمدات کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ برآمدات میں چونکہ آرڈر پہلے سے مل چکا ہوتا ہے لہٰذا نفع ونقصان کا اندازہ کافی حد تک صحیح طور پر لگایا جا سکتا ہے۔ تجارتی نقصانات کے لئے انشورنس کی خدمات بھی لی جاسکتی ہیں۔

ہ۔ ہنڈیوں کو بھنانے کے لئے

بعض اوقات کاروباری اداروں کو اپنے گاہکوں سے ایسی ہنڈیاں یا ڈرافٹ مل جاتے ہیں جن کی مدّت میں ابھی کچھ وقت باقی ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں اس طرح

کے تمسکات کو نقد میں بدلنے کے لئے شیخ محمود احمد صاحب کا نظریہ مبادلۂ وقت (TMCL) کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

و۔ اثاثہ جات کرایہ پر لینے کے لئے

بعض اثاثہ جات ایسے ہوتے ہیں جنہیں خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی' بلکہ انہیں کرایہ پر لینے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے' جیسا کہ بعض قسم کی مشینری۔ شریعت میں اثاثہ جات کے کرایہ کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ کرایہ پر دینے والا اس کاروبار کے جملہ خطرات بھی قبول کرے۔ مثال کے طور پر بعض اوقات اثاثہ جات کو کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کوئی لینے والا نہیں ہوتا۔ اثاثہ جات کو مرمت وغیرہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے' ان میں فرسودگی ہوتی رہتی ہے' ان پر ٹیکس لاگو ہوسکتے ہیں' وغیرہ۔

بینک اگر اثاثہ جات برائے کرایہ (Leasing) کے کاروبار میں آنا چاہیں تو اس کے لئے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جن اداروں کو یہ اثاثہ جات چاہئے ہوں وہ کرایہ کے تمسکات (Leasing Certificates) جاری کریں۔ اور بنک کے وہ بچت کنندگان جو اس کاروبار میں اپنا روپیہ لگانا چاہیں' بینک ان کے سرمایہ سے ایک باہمی فنڈ برائے کرایہ (Leasing Mutual Fund) قائم کریں۔ جب کسی ادارہ کو کوئی اثاثہ کرایہ پر درکار ہو تو بینک بچت کنندگان کے اس باہمی فنڈ سے وہ اثاثہ حاصل کریں' اسے کرایہ پر دیں' بچت کنندگان کی طرف سے اس اثاثہ کو ٹھیک حالت میں رکھنے کے لئے جو کام کرنا پڑے وہ کریں۔ اور جب وہ اثاثہ پہلے کرایہ دار کے استعمال میں نہ رہے تو اس کے لئے دوسرا کرایہ دار ڈھونڈیں۔ ان سب خدمات کی انجام دہی کے لئے بینک اپنا حقِ خدمت وصول کریں۔ البتہ اس کاروبار سے جو بھی نفع و نقصان ہو' وہ بچت کنندگان کے باہمی فنڈ میں جائے۔ ہاں' چونکہ بینک نے کرایہ کے تمسکات خریدے ہوں گے تو ان تمسکات

کو وہ سٹاک ایکسچینج پر فروخت بھی کر سکے گا۔ اس طرح ان تمسکات کا جو نیا خریدار ہو گا وہ اس اثاثہ کا مالک بن جائے گا۔

مکانات کے لئے سرمایہ کاری

رہائشی مکان ہر انسان کی ضرورت ہے، لیکن اس کی تعمیر میں اتنا سرمایہ درکار ہوتا ہے کہ ایک انسان کے لئے اسے فراہم کرنا آسان نہیں۔ چنانچہ متوسط اور نچلے درجے کے لوگوں کو مکان کی تعمیر کے لئے مالی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل پاکستان میں اس غرض کے لئے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کام کر رہی ہے۔ جب ۱۹۸۰ء کے عشرہ میں ملک میں اسلامی معاشی نظام کی جدوجہد شروع ہوئی تو اس کارپوریشن نے "کرایہ میں شرکت" کی بنیاد پر لوگوں کو سرمایہ فراہم کرنا شروع کیا۔ تقریباً ۱۰ سال کے تجربہ سے اسے معلوم ہوا کہ اس کی اوسطاً شرح آمدن ۵ فی صدی سے بھی کم ہے، جب کہ خود اسے سٹیٹ بینک سے سرمایہ ۹ فی صدی شرح سود پر ملتا ہے، چنانچہ اب اس کارپوریشن نے اپنے طریق کار میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں کہ نام تو کرایہ میں شرکت ہی رکھا ہے لیکن عملاً جو بھی کوئی اس سے سرمایہ لیتا ہے اسے ایک مقررہ رقم زائد لوٹانا پڑتی ہے۔ اس طرح سے یہ کارپوریشن دوبارہ سود کی طرف لوٹ آئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کارپوریشن کے اربوں روپے لوگوں کے ذمہ واجب الادا ہیں، جنہیں واپس لینے کے لئے اسے بہت جدوجہد کرنا پڑ رہی ہے اور اس کے اخراجات میں بھی بہت اضافہ ہو رہا ہے۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ یہ کاپوریشن یا دیگر بینک جو اس کاروبار میں حصہ لینا چاہیں وہ بڑی بڑی ہاؤسنگ کمپنیوں سے رابطہ رکھیں۔ یہ بڑی بڑی کمپنیاں پبلک لمیٹڈ ہوں اور یہ زمین تیار کر کے اس پر مکان بنا کر فروخت کریں۔ ان میں باہمی مسابقت سے مکانات کی قیمتیں بھی متوازن رہیں گی۔ یہ کمپنیاں اقساط پر مکان فروخت کریں اور جس قدر ان کا سرمایہ اقساط میں فروخت شدہ مکانات میں لگا ہوا ہو اس کا ایک بڑا حصہ

بینک یا ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن انہیں نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد دے۔ یہ کمپنیاں اس سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے مضاربہ سرٹیفکیٹ جاری کریں یا بیع بالاقساط سرٹیفکیٹ (Instalment Sales Certificates) جاری کریں۔ بینک یا دوسرے مالیاتی ادارے ان سرٹیفکیٹس کے بدلے میں سرمایہ فراہم کریں۔ چونکہ یہ بڑے ادارے ہوں گے' ان کے حسابات پیشہ ور اکاؤنٹنٹ تیار کریں گے اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ان کا آڈٹ کریں گے' لہٰذا بہت کم احتمال ہے کہ ان میں گڑ بڑ ہو۔ اس طرح سے "کرایہ میں شرکت" کا فرضی افسانہ گھڑنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی اور مالیاتی ادارے کا سرمایہ بھی ضائع ہونے کا احتمال کم ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں یہ ذکر کرنا از حد ضروری ہے کہ مکانات تعمیر کرنے والی کمپنیوں کے لئے لازمی ہو گا کہ وہ نقد اور ادھار قیمتوں میں کوئی تفاوت نہ کریں' ورنہ اس کاروبار میں سود در آئے گا۔

اس سرمایہ کاری کی ایک متبادل راہ یہ ہے کہ تعمیرات والی کمپنیاں مختلف قسم کے خام مال جیسے سریا' سیمنٹ' سینٹری فٹنگ' سامان بجلی وغیرہ کے لئے ان چیزوں کی صنعتوں سے مال ادھار پر لیں اور یہ صنعتیں اس ادھار کے ایک حد تک بینکوں یا مالیاتی اداروں سے نفع و نقصان کی شرکت پر سرمایہ (Re-Finance) لیں۔ اس طرح ان تعمیراتی اداروں کو مکانات کی تعمیر کے لئے بھی فنانس ملے گا اور ادھار فروخت کرنے پر بھی۔ اور یہ کاروبار ترقی پذیر ہو گا۔

وزیراعظم کی روزگار اسکیم

وزیراعظم کی روزگار سکیم اگرچہ انتہائی نیک نیتی سے شروع کی گئی ہے' لیکن اندیشہ ہے کہ اس میں بھی ہمیں چند در چند مشکلات کا سامنا ہو گا۔ اول یہ کہ اس پر سترہ فی صد سود ہے۔ جن لوگوں کے پاس سرے سے کوئی سرمایہ نہیں اگر وہ اس شرح سود پر قرض لیں تو کم از کم اس سے دوگنا منافع انہیں اپنے لئے بھی

چاہیئے۔ لیکن چھوٹے کاروباروں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ۵۰ فی صدی نفع بھی پیدا کرے اور اصل زر کی واپسی کے لئے بھی کوئی رقم فراہم کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ بہت سے لوگ بالکل جائز طور پر یہ سرمایہ واپس نہ کر سکیں گے اور یوں یہ سکیم فروغ نہ پا سکے گی۔

بے روزگاری کو ختم کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تو خود سود کا خاتمہ ہے کیونکہ سود سرمایہ کاری کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سود کا روزگار سے ایک معکوس تعلق ہے، جتنی شرح سود زیادہ ہوگی، سرمایہ کاری کم ہوگی اور روزگار کے مواقع کم ہوں گے، اور جتنی شرح سود کم ہوگی سرمایہ کاری زیادہ ہوگی اور روزگار کے مواقع بھی زیادہ ہوں گے۔ اس بدیہی حقیقت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسی ترکیب جس میں سود کو باقی رکھا جائے اور روزگار بڑھانے کی توقع یا کوشش کی جائے بار آور نہ ہوگی۔

ایک مثالی حل تو یہ ہے کہ لوگوں کو یہ سرمایہ بلا سود قرض حسن کے طور پر ملے۔ لیکن چونکہ معیشت کے باقی شعبوں میں سود رائج ہے، حتیٰ کہ خود حکومت سیونگ سکیموں پر سود دے رہی ہے تو اغلب یہ ہے کہ لوگ بلا سود قرض لے کر کسی سیونگ سکیم میں لگا دیں گے اور اس طرح اپنے لئے سود خواری کا ایک اور باب کھول لیں گے۔

ان حالات میں ایک قابلِ عمل ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت چند ایک مخصوص کاروباروں کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا اعلان کرے۔ ان کاروباروں کے لئے موزوں صلاحیتوں والے لوگ ایسی بڑی بڑی کمپنیوں سے رابطہ کریں جو کہ ان کاروباروں کے لئے اموالِ تجارت یا خام مال فروخت کرتی ہوں۔ پھر جس شخص کو مالی مدد کی ضرورت ہے وہ ان کمپنیوں سے مال ادھار پر لے۔ اس کے لئے اسے ان کمپنیوں کو مطمئن کرنا ہوگا۔ کوئی رقم انہیں نقد نہ ملے گی بلکہ مال کی شکل میں ملے گی، اور جب تک پہلا پیسہ نہ لوٹائیں آئندہ ادھار نہ ملے گا۔ ضرورت ہو تو کوئی

رہن کی شرط یا مخصی ضمانت رکھی جاسکتی ہے۔ اور یہ بڑی کمپنیاں بینکوں سے یا مالیاتی اداروں سے اس ادھار کا ایک بڑا حصہ (۷۰، ۸۰ فی صد) نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد (Refinance) پر حاصل کریں۔ ان کمپنیوں کے حسابات پیشہ ور اکاؤنٹنٹ لکھیں اور آڈیٹرز آڈٹ کریں۔ یہ کمپنیاں نقد اور ادھار کی قیمت ایک ہی رکھیں گی تاکہ سود کسی دوسرے واسطے سے داخل نہ ہوسکے۔

بین الاقوامی لین دین

ایک سوال یہ ہے کہ بلا سود معیشت بین الاقوامی لین دین کیسے کرے؟ بین الاقوامی لین دین کی دو شکلیں ہیں:

ا۔ در آمدات / بر آمدات میں سود

ب۔ غیر ملکی قرضوں پر سود

ا۔ در آمدات / بر آمدات میں سود

پہلے در آمدات کو لیتے ہیں۔ اس میں سود اس طرح داخل ہوتا ہے کہ بیرونِ ملک کی فرم جو مال پاکستان بھیجتی ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ جونہی وہ مال روانہ کرے اسے رقم مل جائے۔ اِدھر پاکستانی امپورٹر کا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک مال نہ ملے رقم کیسے ادا کرے۔ اس غرض کے لئے پاکستانی امپورٹر ایک نامۂ اعتبار (Letter of Credit) کھولتا ہے، جس کے ذریعہ سے پاکستان کا ایک بینک بیرون ملک مال بھیجنے والے کے بینک کو ضمانت دیتا ہے کہ مال بھیجنے کی صورت میں پاکستانی بینک اس کی ادائیگی کا ضامن ہے۔ اس ضمانت کے باوجود پاکستانی بینک مال وصول ہونے تک رقم نہیں بھیجتا۔ جب مال پہنچنے کی اطلاع آتی ہے تو پاکستانی تاجر رقم ادا کر کے بینک سے کاغذات لیتا ہے اور مال چھڑواتا ہے، اُدھر پاکستانی بینک، بیرون ملک بینک کو ادائیگی کردیتا ہے۔ اس سارے کام میں ۳ سے ۶ ماہ تک بھی لگ جاتے ہیں، لہٰذا بیرونِ ملک سے مال بھیجنے والا اس وقت کا سود وصول کرتا ہے۔

اس صورت حال سے نبٹنے کا ایک حل یہ ہے کہ پاکستانی تاجر جب مال بُک کرے اسی وقت ساری رقم بینک کو ادا کردے' اور پاکستانی بینک بیرون ملک بینک کو یہ رقم بھجوا دے۔ ادھر بیرون ملک بینک اس بات کی ضمانت دے کہ اگر کسی وجہ سے مال نہ پہنچا' یا اس میں کوئی کمی ہوئی تو وہ رقم واپس کردے گا۔ بیرون ملک بینک یہ ضمانت اپنے کاروباری سے طے کرکے دے گا اور اور اس کی ایک فیس بھی لے سکتا ہے۔ اس طرح سے یہ تجارت نقد ہوجائے گی ۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ پاکستانی تاجر کے لئے اتنی رقم اتنے عرصہ کے لئے لگانا شاید ممکن نہ ہو تو جیسا کہ اس مقالہ میں پہلے لکھا جاچکا ہے' اس صورت میں پاکستانی تاجر پاکستانی بینک سے نفع و نقصان کی شرکت کے اصول پر سرمایہ لے سکتا ہے۔ وہ پاکستانی فرمیں جو اس کام کے لئے سرمایہ لینا چاہیں وہ مضاربہ سرٹیفکیٹس جاری کریں' جو کہ سٹاک ایکسچینج پر فروخت ہوسکتے ہوں۔

رہا معاملہ برآمدات کا تو ان کے لئے بھی یہی طریق کار طے کیا جاسکتا ہے' بلکہ جب پاکستانی بینک اور بیرون ملک بینک اس طرح کے کاروبار میں لگیں گے تو دونوں طرف حساب فہمی کاغذات کے ذریعہ ہی ہوجایا کرے گی اور بہت تھوڑی رقم ایک ملک سے دوسرے ملک جائے گی۔

برآمدات کی شکل میں بینکوں سے نفع و نقصان میں شرکت اور بھی آسان ہوگی' کیونکہ برآمدات کی قیمت معلوم ہوتی ہے' اور بینک ان کی لاگت کی پڑتال کرنے کے بعد متوقع منافع کا حساب لگا کر طے کرسکتے ہیں کہ انہیں ایسے کاروبار میں سرمایہ لگانا چاہیے یا نہیں۔ چونکہ اس کاروبار میں بینک مضاربہ سرٹیفکیٹس خریدیں گے' لہٰذا ان کو سہولت ہوگی کہ جب چاہیں انہیں سٹاک ایکسچینج پر فروخت کرلیں۔ مزید برآں برآمدات اور درآمدات کا کاروبار کرنے والی کمپنیاں چونکہ بڑی ہوتی ہیں' لہٰذا ان کے حسابات باقاعدہ ہوتے ہیں اور اس کا احتمال کم ہوگا کہ وہ ان میں گڑ بڑ کریں۔ بہرحال بینکوں کو یہ اختیار رہے گا کہ وہ جس فرم کے حسابات چاہیں تفصیل سے دیکھ لیں۔

ب۔ بین الاقوامی قرضے

جہاں تک مستقبل کے قرضوں کا تعلق ہے وہ تو ہر صورت میں بلا سود ہونے ضروری ہیں اور کسی حال میں بھی سود پر نہ لئے جائیں۔ سرمایہ لگانے والے بین الاقوامی اداروں سے سرمایہ کا حصول نفع و نقصان میں شرکت یا مالکانہ حصص کی فروخت کے اصول پر ہو۔ بہت سے پراجیکٹس جن کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے نفع بخش ہوتے ہیں اور حکومت ان میں نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر سرمایہ حاصل کرسکتی ہے۔ البتہ ایسے قرضے جو نفع بخش کاموں کے لئے نہیں ہیں' جیسے کہ دفاع وغیرہ تو ان میں سود کی ادائیگی کی بجائے مالِ دفاع کی جو بھی قیمت طے پا جائے حکومت اسے دینے کی پابند رہے' اس پر سود دینا قبول نہ کرے۔ یہ سوال کہ کیا ان بنیادوں پر مالِ دفاع مل جائے گا یا نہیں' ایک عملی سوال ہے' اور جب تک اس کی کوشش کر کے نہ دیکھ لی جائے ہم حالتِ اضطرار میں داخل نہیں ہوسکتے۔ جس طرح بغیر کوشش کئے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی شرائط پر مال نہیں مل سکتا اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "مل سکتا ہے"۔ بہرحال ایک سچے مسلمان معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے لئے جدوجہد کرے۔

اب مسئلہ ہے موجودہ بین الاقوامی قرضوں کا۔ اس کا کوئی آسان حل تو نہیں ہے' البتہ ہر معاملہ کو تفصیل سے دیکھنا ہوگا۔ جن سے قرضہ لیا گیا ہے ان سے اس کے مبادلہ (Conversion) کی بات کرنا ہوگی' تاکہ وہ اس کو مالکانہ حصص (Equity) میں بدل لیں' جہاں جہاں یہ سرمایہ نفع بخش کاموں میں لگا ہے' جیسے ٹیلی کمیونی کیشن' سوئی گیس' بجلی وغیرہ۔ البتہ وہ جگہیں جہاں یہ قرضے نفع آور کاموں پر نہیں لگے' اس کے لئے گفت و شنید کے ذریعے کوئی حل نکالنا ضروری ہوگا۔ ایک حل ایسا ہے جس کو ورلڈ بینک نے بہت تحفظ دیا ہے اور دنیا بھر میں اس کا کچھ چلن ہے۔ اس کو "قرض و مالکانہ حصص کا مبادلہ" (Debt -Equity Swap) کہتے

ہیں۔ اس کی شکل یوں ہے:

ا۔ فرض کیجئے حکومت پاکستان نے کسی بیرونی بنک کا قرض دینا ہے اور یہ قرض ۱۰۰ ملین ڈالر ہے۔ کوئی باہر کا ادارہ، کمپنی یا پاکستانی شہری بیرون ملک قرض خواہ بینک سے یہ قرض ۵۵ ملین ڈالر میں خرید لیتا ہے۔ بینک کے لئے ۵۵ ملین ڈالر کا مل جانا بھی غنیمت ہے۔ اب جو یہ قرض خریدتا ہے اسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس قرض کے برابر یا کسی کم و بیش رقم پر روپوں میں حکومت پاکستان سے ادائیگی وصول کرے۔

ب۔ یہ ادائیگی روپوں میں ہوگی اور تھوڑے بہت شرح مبادلہ پر، جیسا کہ ۲۵ روپے کے ڈالر کی بجائے ۲۸ روپے کا ڈالر ہو لیکن یہ لازمی شرط نہیں ہے۔

ج۔ ان روپوں سے ایک کمپنی وجود میں لائی جائے گی جو کہ کوئی صنعت پاکستان میں قائم کرے گی، جس میں پاکستانی افراد کو روزگار ملے گا۔

د۔ یہ کمپنی باہر سے مزید سرمایہ اور ٹیکنالوجی لا سکے گی۔

و۔ اس کمپنی کو انکم ٹیکس اور دوسرے قواعد میں کچھ رعایتیں حاصل ہوں گی اور یہ اپنا منافع ملک سے باہر لے جاسکے گی اور برآمدات بھی کر سکے گی۔

قرض و مالکانہ حصص کے مبادلہ کا یہ طریقہ حال ہی کے سالوں میں رائج ہوا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں معلوم ہوتی (واللہ اعلم)۔ حکومت اس طریقہ پر عمل کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہے۔

یہ بات البتہ واضح ہونی چاہئے کہ قرض اندرونی ہو یا بیرونی، اس پر سود کی ادائیگی ہر حال میں شریعت کے منافی ہے، اور حکومت کو جرأت کے ساتھ سود کی ادائیگی بند کر دینا چاہئے۔

ضمناً یہ بات بھی نوٹ فرمائی جائے کہ جو بیرونی قرضے حکومت لیتی ہے ان میں سے بہت سے قرضوں کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے، مثلاً حکومت ان کاموں کے لئے قرضے لیتی ہے[۱۸]:

i۔ پرائمری سکولوں کے لئے

ii۔ دیہاتوں میں بجلی پہنچانے کے لئے

iii۔ زراعت کے توسیعی پروگرام کے لئے

iv۔ حفاظتی ٹیکوں کے پروگرام کے لئے

v۔ کھیتوں میں نالیاں پکی کرنے کے لئے

vi۔ نرسوں کے سکول کھولنے کے لئے

vii۔ اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کی ٹریننگ کے لئے

viii سڑکوں کی تعمیر کے لئے

ix۔ سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لئے

x۔ ماہی گیری کی تربیت کے لئے

xi۔ ثانوی سکولوں میں سائنس کی تعلیم کے لئے

xii۔ کھیتوں سے مارکیٹ تک سڑکیں بنانے کے لئے

xiii۔ ووکیشنل تعلیم کے لئے

xiv۔ دیہاتوں میں آب نوشی کے لئے ----- وغیرہ

غور فرمائیں تو ان میں سے شاید ہی کوئی کام ہو جس کے لئے بیرونی قرضوں کی ضرورت ہو۔ سوال ہے کہ پھر حکومت یہ قرضے کیوں لیتی ہے ؟ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت بھی اور قرضہ دینے والے ادارے بھی ان جیسی مدوں میں قرض کا انتظام اس لئے کرتے ہیں کہ پہلے سے لئے ہوئے قرضوں اور ان پر سود کی ادائیگی کیلئے زرمبادلہ میسر آجائے۔ چنانچہ اس سے ایک لامتناہی چکر شروع ہو گیا ہے جس میں قرضے مزید قرضوں کی طرف لے جارہے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ جو نئے قرضے لئے جاتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ واپس چلا جاتا ہے اور نیا بوجھ لد جاتا ہے۔ اس کا ثبوت درج ذیل اعداد و شمار ہیں :

(ملین ڈالروں میں)

سال	نیا قرض Gross Disbursement	پہلے قرض کی ادائیگی Debt Service	در آمدی سرمایہ خالصۃً Net Transfer	در آمدی سرمایہ نئے قرض کا فیصد Net Transfer as % of Gross Disburement
۷۵ـ۱۹۷۴ء	۱۱۳۵	۲۵۹	۸۷۶	۷۷٪
۸۱ـ۱۹۸۰ء	۱۴۷۱	۹۹۵	۴۷۶	۳۲٪
۸۲ـ۱۹۸۱ء	۱۲۸۸	۱۱۴۸	۱۴۰	۱۱٪
۸۳ـ۱۹۸۲ء	۱۵۴۱	۱۲۷۷	۲۶۴	۱۷٪
۸۴ـ۱۹۸۳ء	۱۳۵۷	۱۲۰۵	۱۵۲	۱۱٪
۸۵ـ۱۹۸۴ء	۱۳۶۰	۱۲۵۴	۱۰۶	۸٪
۸۶ـ۱۹۸۵ء	۱۶۲۴	۱۵۵۸	۶۰	۴٪
۸۷ـ۱۹۸۶ء	۱۵۱۱	۱۷۴۴	(۲۳۳)	(۱۵٪)
۸۸ـ۱۹۸۷ء	۱۹۶۵	۱۷۹۱	۱۷۴	۹٪
۸۹ـ۱۹۸۸ء	۲۷۷۴	۱۸۶۳	۹۱۱	۳۳٪
۹۰ـ۱۹۸۹ء	۲۵۰۳	۱۸۲۶	۶۷۷	۲۷٪
۹۱ـ۱۹۹۰ء	۲۲۴۴	۱۸۰۶	۴۳۸	۲۰٪

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۷۵۔۱۹۷۴ء میں نئے در آمدی سرمایہ کا ۷۷ فی صدی ملک میں رہ جاتا تھا' جو کہ کم ہوتا ہوتا ۸۷۔۱۹۸۶ء میں منفی ہوگیا' یعنی اس سال ۱۵۱۱ ملین ڈالر جو نئے قرض کے لئے گئے وہ بھی اور مزید ۲۳۳ ملین ڈالر پچھلے قرضوں اور سود کی ادائیگی میں صرف ہوگئے۔ یہ رجحان جاری رہتا تو صورت حال بہت ابتر ہوتی' لیکن قرض دینے والوں نے جلد ہی مریض کو تازہ خون فراہم کرنا شروع کیا تاکہ آئندہ اس میں قرض اور سود لوٹانے کی سکت باقی رہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمی مالیاتی ادارے نئے قرض دینے کے لئے بہت جدوجہد کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کاروبار کی ترقی کے محکمے (Development Departments) ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کو اس بات کا

احساس دلائیں کہ وہ ضرورت مند ہیں اور انہیں قرضوں کی ضرورت ہے۔ ان کی اس تگ و دو میں علمِ معاشیات اور ماہرینِ معاشیات بھی بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ اس طرح مل جل کر مزید قرضوں کے لئے ایک علمی جواز بھی پیدا کیا جاتا ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے حکومت اس وقت قرضے لے رہی ہے ان کی بہت تفصیل سے پڑتال کی ضرورت ہے' ایک ایک ڈالر جو قرض لیا جاتا ہے اس کے بارے میں یہ سوال پوچھا جانا چاہئے کہ کیوں' ملک اس کے بغیر چل نہیں سکتا؟۔۔۔ صرف انہی ضرورتوں کے لئے بیرونی قرضے لینے چاہئیں جن کے بغیر زندگی مشکل ہو۔ جب تک ہم اپنی حکمتِ عملی میں تبدیلی نہیں کرتے بیرونی قرضوں سے نجات نہیں مل سکتی۔

چند لازمی شرائط

اس مقالے میں جو تجاویز دی گئی ہیں ان کی کامیابی کے لئے چند لازمی شرائط ہیں۔

ا۔ سیاسی عزم

حکومت اس کا عزم کرے کہ اس نے سود کو ختم کرنا ہے۔ ڈھیلے ڈھالے طریقے سے محض زبانی تائید سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

ب۔ قانونی تبدیلیاں

مذکورہ بالا تجاویز بہت سی قانونی اور ضابطے کی تبدیلیوں کو لازم کرتی ہیں۔ اس کے لئے بہت مفصل کام کی ضرورت ہو گی جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس میں قومی اسمبلی اور سینٹ کو بہت مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہو گا۔

ج۔ بلا سود مالیاتی اداروں کے بارے میں علمی تشہیر

بہت سے لوگ' بالخصوص بیوروکریٹ' بینکار اور پڑھے لکھے لوگ دلی طور پر

سمجھتے ہیں کہ بلا سود معیشت ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا بہت بڑے پیمانے پر ریڈیو' ٹیلی ویژن' اخبارات کے ذریعے سے اس کے قابلِ عمل حل پیش کیے جائیں۔ یونیورسٹیوں' کالجوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں سود کے نقصانات اور بلا سود نظام کو شاملِ نصاب کیا جائے تاکہ علمی طور پر اس کام کی بنیادیں راسخ ہو سکیں۔

د۔ مقامی عدالتوں کا قیام

اس نئے نظام کو کامیاب بنانے کے لئے مقامی سطح پر عدالتوں کو قائم کیا جائے جو کہ جلد اور سستا انصاف فراہم کریں اور مالیاتی اداروں سے لین دین میں بے ضابطگی کے مرتکب افراد کو سزا دے سکیں۔

ہ۔ کاروباری افراد اور اداروں پر معلومات

حکومت اور پرائیویٹ سطح پر ایسے اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جو آزادانہ طور پر کاروباری اداروں اور اشخاص کے بارے میں Credit Rating پر معلومات فراہم کریں' تاکہ جو لوگ معاملات میں نادہند ہوں یا گڑ بڑ کرنے والے ہوں ان کو کسی جگہ سے بھی کوئی مدد نہ مل سکے۔ قانوناً یہ ضروری ہو کہ جس نے بھی بینکوں سے لین دین کرنا ہو وہ ان اداروں سے اپنی ساکھ کے بارے میں تصدیق کروائیں۔ بینک براہ راست ان اداروں سے معلومات حاصل کرنے کے مجاز ہوں۔

و۔ سٹاک ایکسچینج کی اصلاح

چونکہ اسلامی معیشت بڑے پیمانے پر مالکانہ حصص اور دیگر بہت سے سرمایہ کاری کے آلات کو وجود میں لاتی ہے' لہٰذا ضروری ہو گا کہ بہت سے سٹاک ایکسچینج وجود میں آئیں' جن میں کاروبار کو بہت قرینے سے منضبط کیا جائے تاکہ سٹہ بازی' مخبرانہ تجارت (Insider Trading) اور دیگر بے قاعدگیوں کا سدباب کیا جا سکے اور لوگوں کے سرمایہ کو تحفظ ملے۔

ز۔ تاجروں کی پیشہ ورانجمنوں کی حوصلہ افزائی

ہر صنعت و حرفت کے تاجروں کی پیشہ ورانہ انجمنوں کے قیام کے لئے حوصلہ افزائی کی جائے اور آئندہ مالی لین دین کے لئے ان انجمنوں کی ضمانت پر بینک چھوٹے اداروں یا چھوٹے کاروباری اشخاص سے لین دین کرسکیں۔ یہ انجمنیں بینکوں سے رقوم کی واپسی کا اطمینان بھی دلائیں اور عملی مدد بھی کریں۔

حرف آخر

سود ایک بہت ہی پیچیدہ امر ہے' یہ پوری معیشت میں بہت گہرائی تک سرایت کئے ہوئے ہے' اسے کسی آسان اور سہل طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جب اسے ختم کرنے کی عملی جدوجہد شروع ہوگی تو یہ سو طریقوں سے دوبارہ در آنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا ضروری ہوگا کہ ایسا ادارتی انتظام (Institutional Arrangement) کیا جائے جو اس بات کی نگرانی رکھے کہ یہ کسی بھی راستہ سے دوبارہ معیشت میں داخل نہ ہوسکے۔ ایک تجویز یہ ہوسکتی ہے کہ حکومت ایک مستقل کمیشن اس کی نگرانی کے لئے رکھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سٹیٹ بینک اور دیگر بڑے بینک اپنے ہاں شریعت بورڈ قائم کریں جو بینکوں کے کام کی نگرانی کریں اور انہیں شریعت پر چلنے میں مدد دیں۔ بین الاقوامی طور پر نہ صرف قرض دینے والے اداروں اور حکومتوں کو سود پر بندش کے نئے قواعد سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہوگی بلکہ دوسری اسلامی حکومتوں اور اسلامی بینکوں سے براہ راست تعاون اور تعلقات استوار کرنے بھی ضروری ہوں گے۔ یہ ایک بہت لمبا اور صبر آزما کام ہے' لیکن اس کی برکات ایسی ہوں گی کہ زمین رزق اگلے گی اور آسمان اوپر سے رزق برسائے گا اور خوشحالی اور خیرو برکت کے دروازے کھل جائیں گے۔ بے روزگاری' غربت' نکبت اور ذلت دور ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ!

حواشی

۱۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

Khan, Muhammad Akram, *Islamic Economics: Annotated Sources in English and Urdu* (2 Vols.) Leicester: The Islamic Foundation, 1983 , 1991.

۲۔ ملاحظہ ہو

Federal Shariah Court Judgement on Riba, Lahore : PLD 1992.

۳۔ ایضاً

۴۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

Kazmi, Akdas Ali, "The non-equivalence of Interest and Riba," *Business Recorder*, Karachi, 14 May 1992.

۵۔ تاریخی شواہد کیلئے ملاحظہ ہوں:

مفتی محمد شفیع' مسئلہ سود' ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۰ ہجری

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' سود' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۶۱ء

محمد یوسف الدین' اسلام کے معاشی نظریے (دو جلدیں) مکتبہ ابراہیمیہ' حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء

Qureshi, A.I., *Islam and the Theory of Interest*, Lahore : Sh. Mohammad Ashraf, 1961.

Crone, P., *Meccan Trade and the Rise of Islam*, Oxford : Basil Blackwell, 1987.

Udovitch, A.L., *Partnership and Profit in Medieval Islam*, New Jersey : Princeton University Press, 1970.

O' Leary, De Lacy, *History of Arabia Before Muhammad*, Lahore : Alliance Publishers, 1989.

۶۔ ملاحظہ ہو' غیر مطبوعہ کتاب:

Ahmad, Sh. Mahmood, *Man and Money*, Chapter 3 p.20.

۷۔ ایضاً

۸۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان' سالانہ رپورٹ ۹۱-۱۹۹۰ء

۹۔ لارڈ کینز نے اس نکتہ کو بہت وضاحت سے ثابت کیا۔ اب معاشیات دانوں کے درمیان سود اور سرمایہ کاری کے معکوس تعلق پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۰۔ یہ رپورٹ ۱۱۔ ۱۵ مئی ۱۹۹۲ء کے درمیان کوالالمپور میں منعقد کی گئی ایک کانفرنس بعنوان *Regional Seminar on Performance Evaluation in Asia and the Pacific.* میں بانٹی گئی۔ مصنف ھذا کو اس سیمینار میں شریک ہونے کا موقع ملا۔

۱۱۔ اس موقع پر ورلڈ بنک کے نمائندے کی طرف سے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا گیا۔

۱۲۔ ملاحظہ ہو

World Development Report 1992, Washington, D.C : World Bank, 1992. (شماریاتی گوشوارے)

۱۳۔ پاکستان کے موجودہ اعداد و شمار دینا اس لیے مشکل ہے کہ سرکاری طور پر پاکستان میں سود ختم ہو چکا ہے' لہٰذا شرح سود شائع نہیں کی جاتی۔ مقالہ کے متن میں دیئے گئے اعداد و شمار ورلڈ بنک کی ۱۹۸۵ء کی رپورٹ سے لئے گئے ہیں۔

۱۴۔ ملاحظہ ہو:

Khan, Muhammad Akram, *Glossary of Islamic Economics*, London : Mansell Publishers, 1989.

۱۵۔ سورۃ البقرہ' (آیات ۲۷۹۔ ۲۷۸)

۱۶۔ ملاحظہ ہو' مصنف ھذا کی کتاب بحوالہ نمبر ۱ (اوپر)

۱۷۔ مختصراً یہ نظریہ یوں ہے کہ اگر کوئی شخص بنک سے کوئی رقم ایک مقررہ مدت کیلئے لے تو وہ بنک کو بھی ایک چھوٹی رقم زیادہ طویل عرصے کیلئے قرضِ حسن کے طور پر دے دے۔ دونوں طرف سے رقم قرض حسن ہی ہو گی' بینک اس طرح کی رقوم سے عملی تجارت کر کے نفع کما سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بینک سے ۱۰,۰۰۰ روپے ایک ماہ کیلئے لے تو وہ بینک کو ۱۰۰۰ روپے ۱۰ ماہ کیلئے ادھار دے۔ بینک یہ رقم ۱۰ ماہ تک اپنے استعمال میں لائے اور لوٹا دے اور وہ شخص ایک ماہ تک ۱۰,۰۰۰ روپے اپنے استعمال میں لائے اور لوٹا دے۔ دونوں طرف سے کوئی اضافہ نہ ہو۔ انہوں نے اس کا نام (TMCL)Time-Multiple-Counter-Loan رکھا۔

۱۸۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو

Estimates of Foreign Assistance 1991-92, Islamabad : Finance Division, 1991.
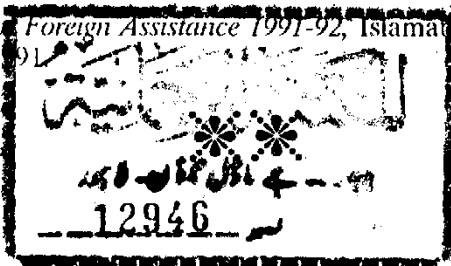
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے قیام کا مقصد
منبع ایمان — اور — سرچشمۂ یقین
قرآن حکیم
کے علم و حکمت کی
وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح
پر تشہیر و اشاعت ہے
تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے
اور اس طرح
اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی
کی راہ ہموار ہو سکے
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ